AFKĀR *Journal of Islamic & Religious Studies*
Volume 5, Issue 2, December 2021, PP: 01-20
E-ISSN 2616-8588; P-ISSN 2616-9223
www.afkar.com.pk; hjrs.hec.gov.pk

Scan for download

رحمت وعدل کا قرآنی تصور اور عصری معنویت

Qur'ānic Concept of Mercy and Justice and Its Current Ideality

Dr Shabbir Ahmad [1], **Dr Abdul Ghaffar** [2]
[1]Asistant Professor, [2]Associate Professor
Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur, Pakistan

ARTICLE INFO

Article History:
Received 17 March 2021
Revised 28 May 2021
Accepted 30 May 2021
Online 30 December 2021

DOI:

Keywords:
Qur'ān,
Justice,
Mercy,
Affectionate,
Ideological
Foundation.

ABSTRACT

The scholars know that mercy and justice are very important to human life. According to the Qur'ān, the system of the universe is also based on the mercy and justice. This article is written in order to illustrate the purposes of Allah's mercy and justice, the balance between them and the priority of mutual preference in the light of Islam and its primary source. Although the idea of mercy and justice is perverse in all religions and civilizations, both modern and ancient, but they are always subjected to individual purposes due to a lack of ideological foundation and a straight path. The article presents how the term mercy, compassion & kindness and justice are used in various contexts in the Qur'ān. Along with definition and meanings, the article discusses the implementation and application of the terms and its usage. Besides, description, the research clarifies many intermingling concepts of affectionate terminologies for students and teachers of Islamic studies.

*Corresponding author's email: abul.hassan@iub.edu.pk

CC BY

موضوع کا تعارف اور دائرہ کار

انسانی زندگی انفرادی اور اجتماعی امور سے عبارت ہے، "رحمت" کا زیادہ تعلق ذاتی فکر و عمل سے اور "انصاف" کا زیادہ عمل معاشرتی امور سے جڑا ہوا ہے اور نظم حیات کا کوئی گوشہ ان دونوں سے بے اعتنائی نہیں برت سکتا۔ "رحم" کا تعلق زندگی کے نشو و نما سے اور "عدل" کا ربط اس کے استحکام سے ہے۔ زندگی کے جسم میں "رحمت" سانس اور "عدالت" خون کی طرح گردش کرتی ہے اور اس کے مطابق نظم کائنات میں بھی "رحم و عدل" کے مناظر موجود ہیں۔ فکر و نظر کی کلید جب ان دونوں کا جائزہ لیتی ہے تو اسے " ضوابطِ رحم و عدل" کا حسین امتزاج نظر آتا ہے جن پر یہ دنیا قائم ہے۔

اسلام وہ دین قیم ہے جس کے جملہ افکار و اعمال فطرت انسانی کے اصولوں پر استوار ہیں، تو یہ ممکن نہیں کہ اس میں رحمت و عدل کے اصول کی رعایت ملحوظ نہ ہو، اس لیے ضروری ہے کہ غور کیا جائے کہ اسلامی تعلیمات میں کائنات اور حیات کے تحفظ کے لیے رحمت و عدالت کو کیا اہمیت دی گئی ہے اور کائناتی عوامل میں کس طرح ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی گئی ہے۔ ان صفحات میں "رحمت و عدالت" کا شرعی مفہوم و اہمیت اجاگر کرنے کے ساتھ، شرعی مصادر اور خصوصاً قرآنی آیات کی روشنی میں ان کی جلوہ گیری، ان کے مابین توازن اور باہمی ترجیح کے مقاصد بروئے کار لائے جائیں تاکہ اسلامی نظام فکر و عمل کا یہ امتیاز نمایاں ہو اور اُن سے نتائج اخذ کرتے ہوئے انسانی عملی مسائل کے حل میں مدد حاصل کی جاسکے۔

امام راغب "رحم" کے متعلق لکھتے ہیں:

"رقّة تقتضي الإحسان إلى الْمَرْحُومِ"[1] ترجمہ: وہ نرمی جو دوسروں کے ساتھ حسن سلوک پر آمادہ کرے۔

میر سید شریف جرجانی کے نزدیک:

"هي إرادة إيصال الخير"[2] ترجمہ: یہ بھلائی کے ارادہ کا نام ہے۔

یعنی "رحمت اس پر خلوص جذبہ اور قلبی کیفیت کا نام ہے جس کے ذریعے دوسروں سے خیر خواہی کی جائے" ۔ اس کے دائرہ کار میں یہ صورتیں آتی ہیں: معافی دینا، ضرورت پوری کرنا یا زیادہ دینا، ہمدردی، خدمت، محبت، عزت، نصرت، ایثار و قربانی، تحفظ و امن و سلامتی اور مرتبہ بلند کرنا وغیرہ۔

"عدل" کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے: "الْحُكْمُ بِالِاسْتِوَاءِ"[3] برابری کی بنیاد پر کیا ہوا فیصلہ، یا "الأمر المتوسط بين طرفي الإفراط والتفريط"[4] ایسا معاملہ جو دونوں جانب کی افراط و تفریط سے پاک ہو، یا "المساواة في المكافأة إن خيرا فخير، وإن شرّا فشرّ-- فلا يميل برأيه إلى أحد طرفيه"[5] بدلہ میں اس طرح کی برابری کہ نیکی کا جواب نیکی سے اور برائی کا جواب برائی سے دیا جائے جبکہ اپنی رائے سے کسی ایک جانب میلان نہ ہو۔ یعنی "عدل" سے مراد "وہ رویہ اور سلوک ہے جو متعلقہ فرد کے استحقاق کے مطابق اختیار کیا گیا ہو اور اس کے کسی پہلو میں خواہش نفس کی بنیاد پر کمی نہ رکھی گئی ہو"۔

عدل کے تحت درج ذیل صورتیں آسکتی ہیں: حق و باطل اور ان کے مدارج میں فرق کرنا، مظلوم کا پورا حق دینا، ظالم کو سزا دینا، ظلم کا خاتمہ کرنا، ظالم کی اصلاح کرنا، امانت، صداقت، مساوات، تسلیمِ حق، ادائیگی حق، احساسِ ذمہ داری، تکمیلِ وعدہ، فرقِ اشیاء، فرقِ مراتب، حریتِ فکر و عمل، شکر، حق شناسی، احتساب، برحق سختی کرنا، سزا دینا، انتقام لینا اور انعام دینا وغیرہ۔ واضح رہے کہ قیام عدل کے لیے قانون سازی کرنا، نظام مرتب کر کے نافذ کرنا اور اس کی رکاوٹیں دور کرنے کے لیے جدید آلات استعمال کرنا بھی اس میں شامل ہے، کیونکہ اس کے بغیر عدل کا حصول ممکن نہیں ہے۔ اس لیے

قرآن حکیم میں یہ بیان کیا گیا کہ بعثتِ انبیاء اور نزولِ کتب کا مقصد قیامِ قسط وعدل ہے، اور یہ بھی اس کے مقاصد میں شامل ہے کہ اہل ایمان مسلح ہو کر قیامِ دین کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت مسلمین کی مدد کریں۔[6]

رحمت کا متضاد "سختی" اور عدل کا مد مقابل "ظلم" ہے، اس لیے رحمت وعدل کی توضیح کے لیے سختی اور ظلم کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ چنانچہ گفتگو، رویہ اور عمل کی شدّت کو "سختی" کہتے ہیں۔ اس لیے ناحق سختی ظلم کی اور برحق سختی عدل کی ایک صورت ہے جو کہ برائی کی اصلاح اور سزا کے لیے یا کسی متوقع بدی کی روک تھام کے لیے اختیار کی جاتی ہے، قرآن میں شدت کا لفظ نیکی[7] اور بدی[8] دونوں طرح کے معاملات کے لیے استعمال ہوا ہے۔

محققین کے نزدیک "ظلم" کی تعریف یہ ہے: "کسی معاملہ کو اس کی مناسب حیثیت سے ہٹا کر اس میں کمی بیشی یا وقت اور جگہ کی تبدیلی کرنا"[9] معلوم ہوا کہ ظلم سے مراد "وہ ضرر ہے جو جان، مال اور عزت کے لحاظ سے کسی فرد یا سماج کو ناحق طور پر پہنچایا جائے"۔ اس لیے درج ذیل صورتیں ظلم کے دائرہ کار میں آتی ہیں: فساد، غلامی، منافقت، عیاری، جھوٹ، ناحق قتل، جبر وتشدد، بغض، حسد، جھوٹا الزام، تذلیل، خیانت، سلبِ حق، اجارہ داری، سود، بدعنوانی، وعدہ خلافی، برائی کا تعاون، غفلت، طبقاتی تقسیم، فرض میں کوتاہی، ناحق جانبداری، وقت کا ضیاع اور جلد بازی وغیرہ۔

سماجی احوال میں رحم اور عدل کے مظاہر اور ان کا فرق

انسانی معاشرے کے حالات وواقعات اس طرح بدلتے اور گھومتے ہیں کہ ان میں پیدا ہونے والی رحمت، سختی، عدل اور ظلم کے درمیان فرق اور موازنہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور ہر ایک کے مختلف درجات میں امتیاز کرنا اس سے بھی زیادہ توجہ کا متقاضی ہوتا ہے۔ تعلقات ومعاملات کی تیز رفتاری اور خواہشات کے غلبہ کی بنا پر کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا ہے کہ وہ حقائق کا تجزیہ کر سکے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مذکورہ بالا چاروں کرداروں کے فروق کا ابتدائی جائزہ لے لیا جائے:

1. دنیا میں اصل چیز "حق اور صدق" ہے۔ جب وہ ضرورت کے مطابق یا اس سے زیادہ عطا کیا جائے تو اس کا نام "رحمت" ہے۔ اگر استحقاق کے مطابق تقسیم ہو تو "عدل" ہے، اور عدل کی کئی صورتیں ہیں: برابری کے موقع پر مساوات کرنا، موقع کی مناسبت سے حق کی حفاظت کرنا، امانت کو حقدار تک پہنچانا، استحقاقی حقوق اور درجات کے درمیان فرق کرنا، نعمت کے بدلے شکر بجالانا، مسلسل ذمہ داری نبھانا، ادائیگی حق میں جدید طریق کار اپنانا، ضرورت کے مطابق سختی کرنا، ظالم پر ترس نہ کرنا، ظلم کا بدلہ لینا، مجرم کو سزا دینا اور حق کی مخالفت کا منظم تعاقب کرنا۔

   اگر ادائیگی حق کے اسلوب میں کمی ہو تو بھی ظلم کے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں اور شر کی قوتیں منظم نفاق اور دجل کی راہ سے کامیاب ہو جاتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ رحمت فطری طور پر عدل کی محتاج ہے اور اس کے ذریعے سے وہ درجہ کمال حاصل کرتی ہے اور اس کے بغیر بعض اوقات وہ نہ صرف اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے بلکہ ظلم کی صورت میں بدل جاتی ہے۔ اس لیے رحمت اور عدل کے درجات کا فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اور "حقیقی عدل" وہ ہے جو صورت حال کے مطابق منطبق ہو کر ظلم کی ہر چھوٹی بڑی، ظاہر وپوشیدہ اور قدیم وجدید تکنیک کا مقابلہ کرنے کا اہل ہو، اس لیے مجرد دیانت، سادگی اور جمود کے ساتھ عدل کا قیام ممکن نہیں بلکہ اس کے لیے علم و اخلاص کے ساتھ تدبر، نظم، جدت،، قربانی، بر محل فیصلہ سازی اور مشاورت ضروری ہے، اور ایک مومن کامل ہی انبیائے کرام علیہم السلام کی اتباع کے ساتھ صحیح عدل قائم کر سکتا ہے۔

2. رحمت وعدل کی طرح سختی اور ظلم کے مدارج ومراحل کا بھی فرق ہے، مثلاً اصلاح کی نیت سے کسی کا حق مؤخر کرنا یا سزا کے طور پر اس کا ظاہری حق ادا نہ کرنا جائز سختی ہے، مگر خواہش نفس کے تحت ایسا کرنا ظلم ہے۔ بلاوجہ کی معمولی سخت روی بظاہر ادنی درجے کا ظلم ہے مگر یہ اعلیٰ درجے کے مظالم کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

مظلوم کی مدد نہ کرنا اور ظالم کو نہ روکنا بھی ظلم ہے، لیکن ایک منتظم کا اپنی ذمہ داری پوری نہ کرنا اس سے بڑا اور "اجتماعی ظلم" ہے، مثلاً سرپرست کا اپنے ماتحتوں کی تربیت میں غفلت برتنا، صحافی کا خاموش رہنا، حقائق چھپانا، افسر کا اپنے ماتحت کے اخلاقی رویے پر نظر نہ رکھنا ،عدلیہ، علماء، اساتذہ، دانشور، سیاستدان، پولیس اور فعال اداروں کا فرض ناشناس ہونا یقینا مظالم کا مجموعہ ہے، ایسے ہی مظلوم لوگوں کا اپنی بدحالی پر توجہ نہ کرنا، ظلم کے خلاف آواز بلند نہ کرنا اور خاموشی کو حکمت کا نام دینا بھی ہلاکت خیز ہے۔

رحمت وعدل اور برمحل سختی کے مواقع میں تساہل اور تاخیر کے اسباب دو طرح کے ہوسکتے ہیں: ذاتی منفعت یا اجتماعی فلاح، لہذا اگر اس کی وجہ ذاتی مفاد ہو تو یہ خودغرضی اور ظلم کی ایک بدنما شکل ہے اور اگر اس کی وجہ اجتماعی اصلاح ہو تو اس کا نام حکمت ومصلحت ہے، بشرطیکہ اجتماعی مفادات کے ٹکراؤ کے موقع پر کم سے کم سماجی نقصان کی حامل صورتِ عمل کو اجتماعی مشاورت اور منصوبہ کے ساتھ اختیار کیا جائے تو اس طرح کی صورت حال عدل کی ایک اعلی مثال ثابت ہوتی ہے۔

3. اللہ تعالیٰ کا اس کائنات اور حیات کو پیدا کر کے اسے ایک نظام عدل کے تابع کرنا ان کی بے پایاں رحمت کا کرشمہ ہے۔ اس لیے ان کی رحمت تو رحمت ہے مگر ان کا عدل کمال رحمت ہے۔ انسان کمزور ہے، وہ رحمت وعدل دونوں کو اپنی ضرورت کے تحت اختیار کرتا ہے اس لیے اس کی رحمت بھی حقیقت میں عدل کا ایک حصہ ہوتی ہے، اور اس کی ہمدردی میں مشترکہ معاملات کے تحت اس کا مفاد موجود ہوتا ہے، خواہ اس کا ارادہ اس نے کیا ہو یا نہ، کیونکہ اس سے معاشرہ مضبوط ہوتا ہے اور اس کا ذاتی مفاد پلٹ کر واپس آتا ہے، اس لیے انسان کی رحمت کو عدل سے بالکل علیحدہ کرنا مشکل امر ہے۔

واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا انسان سے تعلق رحمت کی نوعیت کا حامل ہے لیکن اللہ تعالی اور ان کی مخلوق سے انسان کے تعلقات کی بنیاد عدل پر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں، اس لیے انسان کا اپنے رب تعالی کی نعمتوں کا شکر بجالانا، ان کی حقیقتِ وحدت کو تسلیم کرنا، ان کی عبادت واطاعت کرنا اور ان کی مخلوق سے متعلق ان کے احکام بجالانا عدل کی مختلف صورتیں ہیں، اور اللہ کا شرک، کفرانِ نعمت، بدعہدی، نافرمانی اور ان کی مخلوق کے لیے اپنی ذمہ داری مکمل نہ کرنا ظلم اور فساد ہے۔

4. مجموعی طور پر رحمت وعدل کے تین مراحل ہیں، کسی کی حاجت پوری کرنے سے اس سلسلہ کی ابتداء رحمت سے ہوتی ہے۔ دوسرے مرحلہ میں حاجتمند افراد کی ضرورتوں کی ترتیب وتکمیل میں ظلم پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے عادلانہ نظم قائم کیا جاتا ہے ،اور اس دوران بھی نرمی، رخصت اور معافی کے انداز میں رحمت کا ظہور ہوتا ہے۔ تیسرے مرحلے میں عدل کی تکمیل حقدار ومظلوم کے استحقاق، فرمانبردار ومحنت کار کے انعام اور ظالم کی سزا، پر منتج ہوتی ہے۔ ان مراحل کی مسلسل اجتماعی جدوجہد سے انسانی زندگی میں تہذیبی ارتقاء معرض وجود میں آتا ہے، اور اس سے علمی نظریات، عملی سہولیات اور تنظیمی تدابیر کا تسلسل جاری رہتا ہے۔ مذکورہ بالا تینوں مراحل کے اعتبار سے حق جل شانہ کے ضابطۂ رحمت وعدل کے مناظر کا مشاہدہ کئی اعتبارات سے کیا جاسکتا ہے:

جہت اول: نظم کائنات

نظم کائنات کا آغاز رحمت الٰہی سے تخلیق کی شکل میں نمودار ہوا۔ دوسرے مرحلے میں کائنات اور اجرام فلکی کو ایک نظام رحمت وعدل کے تابع کیا گیا، انسان کو نعمتوں سے مالامال کر کے اختیاری آزادی کے ساتھ اس کی آزمائش کی گئی۔ تیسرا مرحلہ آخرت کے حساب، مجرموں کی سزا اور انعام یافتگان کی جنت پر مشتمل ہے۔ اس طرح یہ کائنات اللہ پاک کی رحمت وعدل کے مراحل میں لپٹی ہوئی ہے۔

جہت دوم: نظمِ فرد

فرد واحد کی زندگی بھی ان مراحل سے مزین ہے، بچے کے پیدائشی مطالبات اور اس کے لیے اس کے متعلقین کی شفقت اللہ کی رحمت کے مظاہر ہیں، بعد میں ایک طرف اس کی شعوری زندگی عادلانہ ذمہ داریوں کی حامل بن کر ابھرتی ہے اور دوسری طرف اس کی خواہش اور طاقت کا منفی جوش آزمائش بن کر سر اٹھاتا ہے، پھر خیر و شر کی جس قوت کو خارجی معاونت کے ساتھ موقع ملتا ہے، وہ اس کے ذاتی ارادے اور ماحولیاتی دباؤ کے ملے جلے اثرات کے تحت اس پر حاوی ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ اچھے یا برے انجام کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

جہت سوم: نظمِ حیات

انسان ایک طرف عمومی نظامِ کائنات کا حصہ ہے جس میں وہ بے اختیاری سے موت وحیات کے تقاضوں میں جکڑا ہوا ہے۔ دوسری جانب وہ اپنے اختیار کی آزادی کے ساتھ اللہ کے شرعی اور فطری عدل کا پابند بنایا گیا ہے، ابتداء میں اس کا جذبۂ رحمت اپنی اور دوسروں کی بھلائی کے لیے اپنا کام شروع کرتا ہے۔ جب اس کی خواہش کسی ظلم کی راہ اپناتی ہے تو فاطر حکیم نے اس میں جذبۂ عدل پیدا کیا ہے جو حق وباطل میں فرق کرتا ہے۔ اسی دوران ظالم کی نسبت سے اس کا جذبۂ عدل اور مظلوم کے حوالے سے اس کا جذبۂ رحمت کام کرتا رہتا ہے۔ جب کسی فرد یا گروہ کے ساتھ مشترکہ معاملہ درپیش ہو تو باہمی نرمی اور سختی کے جذبات کی آنکھ مچولی شروع ہو جاتی ہے اور خوش فہمی، غلط فہمی اور جلد بازی میں ان کے مدارج میں فرق کرنا خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔ تیسرے مرحلے میں اگر قیامِ عدل کی راہ میں مفاد پرست طبقہ کی سازشیں غلبہ پالیں تو مظلوم اکثریت اپنی حالتِ زار پر رحمت کے آنسو بہاتی رہتی ہے اور اگر کبھی معاشرہ جزوی یا کلی طور پر عدل کا گہوارہ بن جائے تو رحمت کی چادر جزوی یا کلی طریقے سے معاشرے کو لپیٹ لیتی ہے جس کو امن اور خوش حالی کہا جاتا ہے، اور یوں عدل وظلم کی کشمکش کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

جہت چہارم: نظمِ رسالت اور تکمیل رسالت

اللہ تعالی نے نبوت ورسالت کے سلسلہ کو بھی رحمت وعدالت کی ترتیب سے معمور کیا، اس کی ابتداء ایمانی واخلاقی دعوت سے کی گئی، پھر تقریباً زمانۂ نوح علیہ السلام سے عمرانی حیات کا آغاز ہوا اور انسانی اجتماعی بغاوت کے نتیجہ میں عذابِ الٰہی کے نزول کا سلسلہ شروع ہوا، جس کے بعد مختلف اقوام اپنے انبیاء کی کھلی نافرمانی کے باعث اسی طرح کے انجام سے دوچار ہوئیں۔ تیسرے مرحلے میں جب عہد ابراہیم علیہ السلام کے قریب منظم عمرانی حیات کا آغاز ہوا تو عادلانہ اور آتشیں شرائع کا نزول ہوا اور رسولوں کے ساتھ صالحین کی منظم جماعتوں کی ہجرت وجہاد کا سلسلہ فروغ پایا۔

تاآنکہ تاجدار ختم نبوت ﷺ کا سراج منیر طلوع ہوا تو آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں بھی رحمت وعدل کے مراحل کا توازن جلوہ گیر ہے، آپ کی مکی زندگی کا آغاز ایمان واخلاق کے قرآنی مضامین اور رحیمانہ جدوجہد سے ہوا، پھر کفار کے مظالم اور نبوی جماعت کا صبر واستقامت ایک ساتھ نمودار ہوئے اور ہجرت ہوئی، مرحلۂ سوم میں آپ کے مدنی دور اور قرآن کی مدنی آیات کے ذریعے ایک طرف سماجی اور انتظامی ضابطۂ عدل پیش کیا گیا، دوسری طرف حکیمانہ جہاد سے علاقائی ائمۃ الکفر اپنے انجام کو پہنچے اور حجۃ الوداع سے تکمیل دین ہوئی۔

نصوصِ قرآنیہ کے تناظر میں رحمت وعدل کا مقام

اسلام میں اللہ تعالی کی پہچان آپ کی صفات کے ذریعے کرائی گئی ہے، ان میں سے عملی صفات کا ذکر کثرت سے کیا گیا ہے: مثلاً تخلیق، ربوبیت وقیّومیت، قدرت، رزّاقیت اور رحمت وعدل وغیرہ، ان میں سے رحمت کے متعلق فرمایا: "وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ"[10] کہ میری رحمت کائنات کی ہر چیز کو محیط ہے اور عدل کے حوالے سے ارشاد ہوا: "إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ"[11] کہ یقیناً اللہ تعالی رائی کے دانہ کے برابر بھی ظلم نہیں کرتے، اس سے عیاں ہو جاتا ہے کہ باقی عملی صفات کے مقابلے میں صفت رحمت اور عدل کو اساسی حیثیت دی گئی ہے، اور یہ مضمون کلام الٰہی میں جا بجا مختلف اسالیب سے بیان کیا گیا ہے، درج ذیل بیانات قابل توجہ ہیں:

1. **"رحمت" انسانی تخلیق کے لیے بطور ایک اہم مقصد:** اللہ کا فرمان ہے کہ لوگ ہمیشہ سے باہم اختلاف کرتے رہے ہیں لیکن اس سے محفوظ وہی لوگ رہتے ہیں جن پر آپ کے رب کی رحمت ہوتی ہے اور اسی رحمت کے لیے تو انھیں پیدا کیا گیا ہے،[12] معلوم ہوا انسانی تخلیق کا مقصد رحمت الٰہی ہے۔

2. **رحمت کائناتی اور انسانی نظام میں بطور ایک اصول:** سورۃ الملک میں کائنات اور انسان کے حوالے سے اللہ کی قدرت کے مختلف مظاہر بیان کرتے ہوئے، آغاز سے آخر تک پانچ مرتبہ صفت رحمت کا ذکر ہے اور اس کا نچوڑ ان دو جملوں میں ہے، پہلا جملہ ہے ما تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفَاوُت[13]، اور دوسرا جملہ ہے مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ[14]، پوری سورۃ کا حاصل یہ کہ کائناتی اور انسانی تخلیق میں اللہ تعالی کے اصول رحمت وعدل کارفرما ہیں اور رحمت کے حوالے سے یہی مضمون سورۃ الانعام کی آیت نمبر 12 اور 47 اور سورہ المؤمن کی آیت 7 میں بھی موجود ہے۔

3. **"حصول رحمت" نزول کتاب کا ایک اہم مقصد:** یہ مضمون سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 203، سورہ بنی اسرائیل کی آیت 82 اور سورہ الاحقاف آیت نمبر 12 میں موجود ہے، جہاں پر اللہ کی کتب کو مخاطبین کے لیے خداوندی رحمت قرار دیا گیا ہے اس لیے مخاطب کے حوالے سے اس کا مقصود ومطلوب ہونا بالکل واضح ہے۔

4. **"حصول رحمت" قانونِ الٰہی کی پابندی کا بنیادی مقصد:** ج اللہ پاک فرماتے ہیں کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم رحمت پاسکو[15]، یہ مضمون سورہ مریم کی آیت 53 سورہ طہ آیت نمبر 112، اور سورہ الحدید آیت نمبر 27 میں بھی موجود ہے۔

5. **"رحمت" مکمل کامیابی اور بخشش کا ایک اہم سبب:** قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالی چاہیں تو اپنے بندے کے تمام گناہ معاف کرسکتے ہیں کیونکہ وہ بخشنے والے اور رحمت کرنے والے ہیں[16]، اس میں اللہ کی رحمت کو پوری کامیابی کا سبب قرار دیا گیا ہے، یہ مضمون بھی سورہ النساء کی آیت 110، سورہ النمل آیت نمبر 46 اور سورہ الزمر آیت نمبر 53 میں موجود ہے۔

6. **"رحمت" انسانی زندگی میں اصلاحی تبدیلی لانے کا ایک مقصد:** فرمان الٰہی ہے: جس نے ظلم کرنے کے بعد اپنی اس بدی کو نیکی سے بدل ڈالا تو اس کے لیے میں بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہوں[17]، اس میں اس شخص کو رحمت کا مستحق قرار دیا گیا جو اپنے مظالم کو نیکیوں میں بدلنے کی قوت وہمت سے سرشار ہو، اس لیے رحمت حاصل کرنے کے لیے بندہ کو اصلاحی تبدیلی کی ترغیب دی گئی ہے۔

7. **مخلوق پر رحم کرنا اللہ کی رحمت حاصل کرنے کا ایک اہم اصول:** فرمان خداوندی ہے: اگر تم معافی، درگذر اور بخشش کا رویہ اختیار کرو تو اللہ پاک تمھیں بخش دیں گے اور تم پر رحم کریں گے[18]، یہ بات ایک کلیہ اور ضابطہ کے طور پر بتائی گئی ہے۔

8. **"رحمت" بربادی سے بچاؤ کا سبب:** فرمایا کہ اگر تم پر اللہ کا فضل اور ان کی رحمت نہ ہو تو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگے۔[19]

9. **"غصہ پینا اور معاف کرنا" حسن عمل اور محبت الٰہی کی علامت کے طور پر:** اللہ کا فرمان ہے کہ اہل تقوی وہ لوگ ہیں جو غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں سے در گزر کرتے ہیں اور اللہ پاک اس طرح کا حسن عمل اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں[20]، ظاہر ہے کہ غصہ پینا اور در گزر کرنا رحمت کی ایک شکل ہے جسے اعمال کی زینت اور حب الٰہی کا نشان قرار دیا گیا ہے۔

10. **عمومی "نرم روی" انسانی تعلقات کے استحکام کا موجب، اور "سخت روی" انسانوں کے باہم انقطاع کا سبب:** اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم مزاج ہیں، ورنہ اگر آپ ظاہری اور اندرونی سختی اختیار فرماتے تو یہ لوگ آپ کے ہاں سے منتشر ہو جاتے[21]، اس میں مزاج رسول کو بطور اسوہ حسنہ پیش کیا گیا ہے اور اس کو آپ کے لیے رحمت قرار دیا گیا ہے۔

11. **"عدل" اللہ تعالی، فرشتوں اور تمام اہل علم کا قطعی اصول:** جیسا کہ فرمایا کہ اللہ پاک، فرشتے اور اہل علم عدل پر قائم رہتے ہوئے اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں[22]، اس سے معلوم ہوا کہ جب خود اللہ تعالی اور ہر زمانے کے اصحاب علم و دانش نے اللہ کی توحید اور اس کی معرفت جیسی اسلامی اساس کو عدل کے معیار پر پرکھا اور تسلیم کیا ہے تو اس سے اسلام کے باقی تمام احکام کی حقانیت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کا ہر حکم اور نبی علیہ السلام کی ہر سنت عدل کے معیار پر قائم ہے۔

12. **"عدل" کائنات کی تخلیق و ترویج کا عمومی اصول:** کہ تمہیں رحمت والے رب کی تخلیق میں کوئی بے ضابطگی معلوم نہیں ہو سکتی [23]، اس میں لفظ "تفاوت" کا تعلق براہ راست نظام عدل سے ہے، اس لیے اس کے معنی بے ضابطگی کے کئے گئے ہیں، اور اس کا مطلوب یہ کہ اللہ کے ضابطہ عدل سے کوئی مخلوق خارج نہیں۔ یہی مضمون سورۃ النساء کی آیت 40 میں بھی موجود ہے ۔

13. **"عدل" کلام الٰہی کی حقانیت کا معیار:** فرمان ہے کہ تیرے رب کا کلام صداقت اور عدالت کے قانون پر پورا اترتا ہے۔[24] یہاں پر اصول عدل سے کلام اللہ کی مکمل مطابقت کو پیش کر کے اللہ کے کلام کی حقانیت کو ثابت کیا گیا ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ کلام اللہ کی حقانیت کا معیار بھی عدل ہے۔

14. **"عدل" بطور دلیل توحید خداوندی:** خداوندی فرمان ہے اگر اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو ارض و سماء میں فساد برپا ہو جاتا۔[25] یہاں عدم فساد کو توحید کی دلیل بنایا گیا ہے اور فساد عدل کا متضاد ہے، لہذا یہ آیت عدل کی برہانی حیثیت کو نمایاں کر رہی ہے، یہی مضمون سورہ آل عمران کی آیت 18، سورہ الرعد کی آیت نمبر 16، سورہ الاسراء کی آیت نمبر 42، سورہ الطور کی آیت نمبر 35 میں اور اس کی آیت نمبر 39 میں بھی موجود ہے۔

15. **"حصول عدل" انبیا کی بعثت اور پیغام الٰہی کے نزول کا مقصد:** آیت میں ہے کہ ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور معیار حق اتارا تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں[26]، اس میں معاشرتی انصاف کے قیام کو پیغمبران علیہم السلام کی رسالت اور کتب سماویہ کے نزول کے مقصد کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

16. **"عدل" انسانی تخلیق کے اصول کے طور پر:** قرآن میں ہے کہ اللہ نے تمھیں پیدا کیا، پھر ٹھیک کیا، پھر عدل سے بنایا[27]، اس آیت میں انسان کی تخلیق میں اللہ کی طرف سے عدل کو ملحوظ رکھنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

17. **"عدل" انسانی عمرانیات کے اساسی اصول کے طور پر:** فرمان ہے کہ اللہ تعالی انسانوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتے بلکہ انسان خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں[28]، یعنی حیات انسانی میں کلی طور پر ظلم کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ عدل کی اصولی اہمیت مسلم ہے، یہی مضمون سورہ النساء کی آیت نمبر 124، سورہ الاسراء آیت نمبر 71 اور سورہ المومن، آیت نمبر 31 میں بھی موجود ہے۔

18. **"عدل" انسانی اعمال کی اصلاح کے اصول کے طور پر:** ارشاد ہے کہ انصاف کیا کرو، یہی چیز پاکیزہ زندگی کے سب سے زیادہ قریب ہے[29]، مطلب یہ کہ تمام انسانی تگ ودو کا اصل مقصد تقوی اور ایسی پاکیزگی ہے جو ہر طرح کی گندگی اور مظالم سے پاک صاف ہو، لیکن اس پاکیزگی کی قوت کا اصل راز اور اس کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ صرف "عدل" ہی ہے۔

19. **"عدل" انسان کی عملی زندگی کا بنیادی اصول:** قرآن حکیم کی سورہ النحل کا ایک بڑا حصہ بنیادی معاشرتی ضوابط پر مشتمل ہے اور اس کا آغاز عدل کے حکم سے کیا گیا ہے إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ[30] کہ اللہ پاک تمھیں عدل کا حکم دیتے ہیں، یہ اسلوب بیاں عدل کی اساسی اور لزومی حیثیت کو اجاگر کرتا ہے۔ اور عدل کی یہی اہمیت سورہ البقرہ کی آیت نمبر 188، 179 اور 194 میں باہمی مزاجرات، اقتصادیات، عبادات، خصوصاً حج وجہاد کے تقدس اور انسانی بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے واضح کی گئی ہے۔

20. **"عدل" انسان کے دنیاوی واخروی نفع اور نقصان کا بنیادی سبب اور اصول:** قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ کے دو بنیادی حصوں میں سے پہلا حصہ بنو اسرائیل سے اور دوسرا حصہ بنو اسماعیل یعنی اہل اسلام سے متعلق ہے، ان میں سے بنو اسرائیل کے تاریخی فکری و عملی وقائع کا اختتام اس آیت پر کیا گیا ہے کہ وہ ایک انسانی گروہ تھا جو دنیا سے جا چکا، اس کو اپنے کئے کا بدلہ ملا ہے اور اب تم ایک انسانی گروہ ہو اور تمھیں بھی تمھارے کئے کا بدلہ ملے گا [31]، اس کے بعد سورۃ کے دوسرے حصے میں امت محمدیہ کے لیے اجتماعی احکام بیان کرتے ہوئے آخر میں یہ اصول صادر کیا گیا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ[32] کہ ہر انسان اپنی اچھی اور بری کارکردگی کا بدلہ حاصل کرتا ہے، ان آیتوں کے بیانات اور ان کی ترتیب سے یہ واضح کیا گیا کہ تمام اقوام کے عروج وزوال کا ایک ہی اصول عدل ہے۔

21. **"عدل" انسانی درجات کے فرق کا اہم اصول:** آیت ہے کہ ہر فرد کے درجات کا فرق اس کے اپنے اعمال پر منحصر ہے تاکہ سب کو اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہو[33]۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ جس طرح اقوام اور افراد کے فرق کی بنیاد عدل پر ہے اسی طرح ہر فرد کے احوال وافعال کے فرق کی اساس بھی عدل ہے۔

22. **"عدل" خواہش پرستی اور معصیت سے بچنے کا اصول:** فرمان ہے کہ تم اپنے نفس کی خواہش کی پیروی مت کرو تاکہ تم عدل کو برقرار رکھ سکو[34]، اس میں بتایا گیا کہ عدل کی ایک بڑی رکاوٹ نفسانی خواہش ہے، اس لیے جو خواہشات نفس سے بچنا چاہتا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنی زندگی میں عدل کو لازم پکڑے۔

23. **"عدل" احکام الہی کی اتباع کا مقصد:** ارشاد الہی ہے یہ قرآن مجید یقینا سب سے زیادہ سیدھا راستہ دکھاتا ہے[35]، اس آیت میں قرآنی احکام کو سب سے بڑا سیدھا راستہ قرار دیا گیا ہے، اور یہ کہ اللہ کے احکام کے بغیر عدل کا حصول ممکن ہی نہیں۔ اس لیے قرآن نے اعلان کیا کہ جو ایمان کی حالت میں نیک اعمال کرتا ہو تو اسے نہ ظلم کا خطرہ ہوگا اور نہ ہی حق تلفی کا[36]، یعنی ایمان اور عمل صالح اختیار کرنے سے انسان کو وہ انصاف ملے گا جس میں ظلم اور ناانصافی کا شائبہ تک نہ ہوگا۔

24. **"ظلم" عذابِ الٰہی کا سبب:** ارشاد الٰہی ہے تم میں سے جس نے ظلم کیا اسے بڑا عذاب دیا جائے گا[37]، اس میں ظلم اور ناانصافی کو عذاب کبیر کا موجب کہا گیا ہے۔ یہی مضمون سورہ ق کی آیت نمبر 24 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

25. **"ظلم" اقوام کی بربادی کے سبب کے طور پر:** اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَتِلْکَ الْقُرَی أَهلكْنَاهمْ لَمَّا ظَلَمُوا[38] اور ان مختلف علاقوں کی اقوام نے جب ظلم کیا تو ہم نے انھیں برباد کر دیا، یہی مضمون سورہ ہود کی آیت نمبر 37، سورہ طٰہٰ آیت نمبر 111 اور سورہ الزخرف، آیت نمبر 76 میں بھی موجود ہے۔

26. **ظالم کا ساتھ دینا بھی کا ہلاکت کا سبب:** وَلاَ تَرْکَنُواْ إِلَی الَّذِینَ ظَلَمُواْ فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ[39] کہ اور تم ظالموں کی طرف میلان بھی نہ رکھو کہ اس سے تم آگ کی لپیٹ میں آجاوگے، یہاں پر ظلم کا تعاون جہنم میں جانے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

27. **"ظلم" اللہ کی ناپسندیدگی کا سبب:** فرمایا گیا ہے وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللہَ لاَ یحِبُّ الْمُعْتَدِین[40] کہ تم کسی پر زیادتی نہ کرو کہ بے شک اللہ پاک زیادتی کرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں، یہاں واضح طور پر ظلم کو اللہ کی ناپسندیدگی کا موجب کہا گیا ہے۔

28. **"ظلم" بدکردار لوگوں کی ہٹ دھرمی کا ایک سبب:** کَذَالِکَ نطْبَعُ عَلَی قُلوبِ الْمُعْتَدِین[41] ہم اسی طرح زیادتی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں، یعنی ظلم کے نتیجہ کے طور پر ظالم کے دل میں معاصی کی پختگی پیدا کی جاتی ہے اور توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

مذکورہ بالا آیات پر غور و فکر کرنے سے دو نتائج سامنے آتے ہیں: نتیجہ اول یہ کہ رحمت اور عدل کا قانون وہ زندہ و تابندہ حقیقت ہے جس کو مالک کائنات نے بذات خود اپنی تخلیق و ربوبیت میں ملحوظ رکھا ہے اور ان آیات کے تجزیاتی مطالعہ سے اس قانون کی سات اصولی حیثیتیں ثابت ہوتی ہیں:

1. **مقصدِ تخلیق کائنات**
2. **سببِ نظمِ کائنات**
3. **سببِ نظمِ حیات**
4. **مقصدِ بعثتِ نبوت**
5. **مقصدِ نزولِ کتاب**
6. **حقانیتِ ایمان کی دلیل**
7. **کلام ربانی کی حقانیت کی دلیل**

نتیجہ دوم یہ کہ رب کائنات یہ چاہتے ہیں کہ انسان رحمت وعدل کے ضوابط اور مواقع کی مناسبت اور ان کی فعالیت کو اچھی طرح سمجھے، اس کا فہم عام کرے اور ہر ممکن طور پر اپنی فکری، علمی اور عملی انفرادی و اجتماعی جدوجہد میں انہیں پیش نظر رکھے کیونکہ اس میں اس کے رب کی رضا مندی اور انسان کی خلافت ارضی کا راز پنہاں ہے، اس حوالے سے قرآن میں رحمت وعدل کی مزید تین حیثیتوں کو اجاگر کیا گیا ہے:

1. **انسانی تباہی سے بچنے کا سبب**
2. **انسان کی اصلاح کا بنیادی ضابطہ**
3. **انسانی کامرانی اور سرفرازی کا اصول**

اس لیے ان آیات کا خلاصہ یہ نکلا کہ انسانی نفع ونقصان کا بنیادی اصول اوراس کی کامیابی اور ناکامی کا معیار صرف "رحمت وعدل" ہے، اور کلام اللہ میں اس مضمون کو اوراس کی متنوع حیثیتوں کو اتنی کثرت و تکرار سے اسی لیے ذکر کیا گیا ہے، لہذا دنیا کا کوئی بھی مسلم یا غیر مسلم اس بھول میں نہ رہے کہ وہ اس اصول کے کسی پہلو کو فراموش کر کے اپنی فلاح کا کوئی شارٹ کٹ راستہ اختیار کر لے گا۔ اوران آیات کے بین السطور میں اللہ تعالی کا یہ چیلنج بھی سنائی دیتا ہے کہ مسلمانو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو دنیا کا کوئی بھی عظیم دانشور یا مقتدر انسان اس دنیا کو فساد کی آماجگاہ بننے سے نہیں روک سکے گا، جیسا کہ جہاد اور اتحاد مسلم کے حوالے سے سورہ الانفال میں فرمان الٰہی ہے: اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ تَكُنۡ فِتۡنَةٌ فِى الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ كَبِيۡرٌ کہ اگر تم نے اس کوتاہی برتی تو زمین پر فتنہ اور فساد کبیر ہو گا۔

اس طرح اس موضوع کی کلیدی نوعیت واہمیت درج ذیل دو قرآنی نصوص سے مزید واضح ہوتی ہے:

نص اول: سورۃ الفاتحہ جو کہ خلاصۂ قرآن، نماز کی ہر رکعت کا ایک نہایت اہم جزء اور دین کامل کی مکمل ترجمان دستاویز ہے، اس میں تین مضامین کا بیان ہے: اول یہ کہ اللہ تعالی کی حمد و تعارف، دوم یہ کہ بندہ کا عہدِ بندگی، سوم یہ کہ حیات انسانی میں سیدھی راہ کا تعین"۔ چنانچہ ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات عالیہ: ربوبیت، رحمت اور عدل کے تذکرہ سے یہ واضح کیا گیا کہ کائنات میں کارفرما اللہ تعالی کی ربوبیت کا تسلسل ان کے دو اصولوں سے وابستہ ہے، ایک شانِ رحمتِ عامہ اور دوسرا ضابطۂ عدل ہے۔ اس لیے سورۃ کے باقی حصے میں انسان کی دو بنیادی ضرورتوں یعنی اللہ کی عبادت اور انسانی کردار حیات کو بیان کرکے یہ لائحہ عمل دیا گیا کہ انسان کی زندگی کے تمام فیصلوں وجملہ کاروائیوں پر اللہ کے اصولِ رحمت وعدل کی حکمرانی لازم ہے۔

نص دوم: ایسے ہی سورۃ الرحمن کے آغاز میں بھی یہ مضمون پوری وضاحت سے پیش کیا گیا ہے، فرمان الٰہی ہے: "بہت بڑے مہربان نے قرآن سکھایا، انسان کو پیدا کرکے اس کو حقائق بیان کرنے کا ڈھنگ عطا کر دیا، شمس وقمر کو ایک نظام کا پابند بنایا، اور تمام ستارے اور درخت بھی آپ کے تابع فرمان ہیں، آپ نے آسمان کو بلند کرکے اس پر ترازو رکھ دی ہے تاکہ اے انسان تو اپنی ترازو میں بغاوت کا ارتکاب نہ کرے"[42]۔

ان آیات میں کائنات اورانسان دونوں کے حوالے سے رحمت وعدل کا ذکر ہے، کائناتی ضابطہ کا جبری ہونا اور شرعی قانون کا اختیاری ذمہ داری ہونا واضح کیا گیا، اور یہ بتایا گیا کہ مہربان آقا کی سب سے بڑی رحمت یہی ہے کہ انھوں نے انسان کو قرآن کے نام سے "قانونِ رحمت وعدل" عطا کیا ہے اور اسی کا عملی عنوان "سیرت النبی" ہے، جس میں خالق اور مخلوق کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے، اس لیے اس سورۃ میں ایک منفرد اسلوب سے دنیاوی اور اخروی نعمتوں کے ساتھ جنت وجہنم کے مناظر کو اللہ کے عادلانہ مظاہر کے طور پر ذکر کرتے ہوئے ان کے درمیان "31" بار یہ جملہ دہرایا گیا ہے کہ تم اپنے رب تعالی کی کس کس نعمت کو جھٹلا سکتے ہو۔

اسلامی تعلیمات میں رحمت وعدل کا حسین امتزاج

اسلام کے عملی احکام تین طرح کے ہیں: 1۔عبادات، 2۔آداب واخلاق اور 3۔ معاملات۔ ذیل میں اسلامی احکام میں پائی جانے والی رحمت وعدل کا مطالعہ چند اساسی اوراہم امثال اور نظائر کے ذریعے پیش خدمت ہے:

1. عبادات کا اصل مقصد "وَصلِ الٰہی" ہے تاکہ انسان اپنے رب کی کبریائی اوراپنی درماندگی کے ادراک کے ساتھ حُب الٰہی میں ڈوب کر دل، زبان اور عمل سے مالک حقیقی کے انعامات کا شکر بجالائے اور پھر اپنی فکری، جسمانی، ذاتی، سماجی، مالی اورانتظامی تمام حیثیتوں سے اپنے مالک کی رضاء جوئی جاری رکھے۔ اللہ تعالی کی محبت کے یہ تمام پہلو عبادات کے ذریعے سے انسان کی باطنی امراض کی اصلاح کرنے

کے ساتھ اس میں دوسرے انسانوں کے ساتھ بھلائی اور حسن معاملہ کی روحانی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں،اس طرح سے اسلام نے انسانیت کے مابین رحمدلی،خیر خواہی اور مساوات وعدل کو اسلامی عبادات کا حصہ بنادیا ہے۔

- عبادات کی قبولیت کا انحصار ظاہری وباطنی طہارت اور حلال کمائی کی شرائط پر ہے،مثلاً "دعا" ایک عبادت اور نماز کا بہت اہم جزء ہے اور نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق جس کا کھانا،پینا اور لباس حرام ہو اس کی کوئی پکار اللہ کے ہاں قابل سماعت نہیں[43]۔عبادات کی ان شرائط سے انسانوں کے مابین مرحمت ومعدلت،صحت،صفائی،ادائیگی حقوق اور منصفانہ تقسیم دولت کے احکام مستحکم ہوتے ہیں۔اس طریقے سے نماز کے لیے مسجد کی آمدورفت،صف بندی،امام کی اقتداء،سلامتی کی دعاؤں اورامن کے جذبات کو اس کا حصہ بنادیا گیا،جن میں انسانی اجتماعیت،تعلیم و تربیت ، شعوروآگہی،صالح قیادت کی منظم پیروی،اجتماعی خیر خواہی اور باہمی حقوق کا تحفظ موجود ہے۔
- اس طرح زکوٰۃ کے فرائض،مقاصد،طریق کار اور اس کے مصارف کا ایک ایک جز انسانی بھلائی اور عدل سے لبریز ہے،اس عبادت کا مطلوب ریاستی بیت المال کا قیام،مالیاتی نظم کا نفاذ اور سماجی افلاس کا منظم تدارک کرنا ہے،اسی لیے اجتماعی زکوٰۃ کے منحرفین اور مانعین سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد کرنے کا حکم دیا[44]، جس پر اصحابِ رسول کا یہ اجماع منعقد ہو گیا کہ زکوٰۃ محض ایک انفرادی عبادت نہیں بلکہ وہ اسلام کا عمرانی اور انتظامی ستون ہے جو معاشرے میں صرف دولت نہیں بلکہ اجتماعی قوت اور تنظیم کو منصفانہ اصول پر تقسیم اور رائج کرتا ہے۔
- روزہ کا افطاروسحر بھی اس کی انفرادی نوعیت کو اجتماعیت سے تبدیل کر دیتا ہے پھر باجماعت قیامُ اللّیل،عید الفطر ، صدقۃ الفطر اور ماہ رمضان کے مصطفوی جودوسخا کے عظیم نمونہ کے ذریعے روزہ کا معاشرتی اور عادلانہ روپ نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔اور حج تومثالی عالمی اجتماعیت کا حامل ہے،جس میں جمیع مسلمین کے لیے عیدالاضحیٰ،قربانی،عالمی نظم وضبط اور عالمی اخوت کے احکام شامل ہیں۔

اس تجزیہ سے واضح ہوا کہ اسلامی جملہ عبادات میں انسانی مرحمت ومعدلت کے ہمہ گیر اور ہمہ جہت عوامل کار فرما ہیں،جو نہ صرف ذہنی مفسدات اور معاشرتی منکرات کی راہ مسدود کرتے ہیں بلکہ وہ رحمت وعدل کے قیام کی ایسی بنیاد فراہم کرتے ہیں کہ اگر جان بوجھ کر مسلم معاشرے سے اس بنیاد کا انخلاء کر دیا جائے تو عبادات محض رہبانیت اور رسمی بوجھ بن جاتی ہے،اور کوئی باشعور مسلم ایسے ماحول کو رضامندی سے قبول نہیں کر سکتا،بلکہ وہ وقتی طور پر گذارا کرتے ہوئے صالح معاشرے کے قیام کی سنجیدہ کوشش جاری رکھتا ہے۔

2. اسلامی اعمال میں عبادت کے بعد شخصی آداب کی اہمیت ہے،جن کا تعلق انفرادی زندگی سے ہے،اس میدان میں اسلام کے مطابق انسان کو ذاتی تقاضوں کی تکمیل کے لیے جسمانی راحت وتسکین،مملوکہ اشیاء کے استعمال اور حقوق کی محدود آزادی فراہم کی گئی ہے، جو کہ رحمت الٰہیہ کی علامت ہے۔اور اس کے ساتھ بعض ان احکام کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے جو نہایت متانت سے اس کی نجی زندگی میں حسن،ترتیب،صحت،صفائی اور سنجیدگی پیدا کرتے ہیں،جس سے اس کی ذات اوراس کے متعلقین کے اختیارات کی حدود و حقوق کو تحفظ ملتا ہے،بلاوجہ کسی کے معاملات میں مداخلت نہیں ہوتی اور باہمی تعلقات میں اعتماد اور پختگی پیدا ہوتی ہے،اور یہ عدلِ الٰہی کا مظہر ہے۔

3. اعمال میں تیسرا درجہ معاملاتی احکام کا ہے، جن کا تعلق اجتماعی حیات سے ہے۔ یہ احکام پانچ قسم کے ہیں: خاندانی، سماجی، مالیاتی، انتظامی اور بین الاقوامی۔ بنیادی طور پر یہ تمام قسم کے احکام انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے وضع کئے گئے ہیں۔ دنیا میں ہر انسان کو مادی وسائل اور دوسرے انسانوں کی ضرورت ہے، اس طرح حاکم وعوام، استاد وشاگرد، فروخت کار وخریدار، امیر وغریب، وکیل وموکل، تمام دیہاتی وشہری، رشتہ دار اور مختلف اقوام سب ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

اصل چیز انسان ہے نہ کہ مادہ اور مال۔ لیکن غلط فہم انسان خود پسندی میں مبتلا ہو کر خیانت اور برائی کی راہ اپناتا ہے۔ اپنے اور غیر کی تقسیم کر کے ایک کو ناجائز طریق سے نوازتا اور دوسرے کو ناحق دھتکارتا ہے، یہ انسانی تفریق آگے بڑھ کر گروہی پرستش کو رواج دیتی ہے۔ اس فساد سے تحفظ کے لیے اسلام نے رحمت اور عدل کا غیر جانبدارانہ قانون دیا ہے، جس کے تمام احکام خود پرستی، مادہ پرستی، اور قوم پرستی اور مذہب پرستی کی برائیوں سے مکمل طور پر محفوظ اور فطری اصول پر قائم ہیں اور اس سے خواہش اور ظلم کے تمام بت پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ اسلام کے معاملاتی احکام میں موجود رحمت وعدل کی توضیح کے لیے چند اسلامی خصوصیات قابل توجہ ہیں:

پہلی خصوصیت: رعایتِ عدم استطاعت

اسلام کا بنیادی اصول ہے کہ انسان کی مجبوری، لاعلمی، بھول اور طاقت سے زیادہ مشقت کے کاموں میں اسے مختلف احوال کے مطابق مکمل رخصت، تخفیف یا سہولت دی جاتی ہے، اور یہ دنیاوی اعتبار سے ہے جبکہ آخرت کے لحاظ سے ایسے گناہ کی مکمل معافی اور نیکی کے ارادہ کا مکمل ثواب دیا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: "اللہ تعالی کسی کی طاقت سے زیادہ اس پر ذمہ داری نہیں ڈالتے[45]"، دوسری جگہ فرمایا: "جو تم بھول کر عمل کرتے ہو اس میں کوئی گناہ نہیں[46]، اسی طرح حدیث کے مطابق: "اللہ تعالی خطاء، نسیان اور مجبوری کو معاف کر دیتے ہیں"[47]۔ اسلام کی اس خاصیت میں ضابطہ رحمت وعدل کے مسلمہ شواہد اور اسلام کی حقانیت کے قطعی دلائل موجود ہیں۔

دوسری خصوصیت: طیب وخباثت کا تصور

اسلام پوری زندگی کے حوالے سے گندگی سے بچنے اور پاکیزگی کے حصول کا نظریہ دیتا ہے، اس میں فکری، خوردنی، عملی، سماجی اور انتظامی ہر لحاظ سے بڑا عموم ہے، اور یہ بالکل فطری اور سائنٹیفک نظریہ ہے جو تمام جسمانی بیماریوں، اخلاقی برائیوں، معاشرتی گندگیوں سے بچاتے ہوئے نہ صرف حقوق آدمیت کو تحفظ فراہم کرتا ہے، بلکہ عدم تحفظ کے احتمال کا بھی خاتمہ کرتا ہے، اس کے تحت نقصان دہ اشیاء اور خونخوار جانوروں کی حرمت اور دوسروں کی ملکیت اور مشترکہ حقوق کے بلا اجازت استعمال کی ممانعت واضح ہوتی ہے کیونکہ یہی معاملات باہمی نزاع، تعصب اور تفرقہ کا سبب بنتے ہیں، اسی لیے اللہ کا فرمان ہے "پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو"[48]۔

تیسری خصوصیت: انفرادیت واجتماعیت میں اعتدال

انسانی حیات انفرادیت اور اجتماعیت کا مرکب ہے، اسلام میں دونوں کے فرائض اور حقوق معین کئے گئے ہیں، فرد کو محنت کا حکم دیا گیا[49]، اس کو بلا تفریق جمیع انسانیت کی خیر کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے[50] اس کے بعض ذاتی مفادات میں انسانیت کو شریک ٹھیرایا گیا[51]، اس کے مقابلے میں خاندانی اور اجتماعی نگران پر قرابتداری اور سماجی حاجتمندوں کے حقوق عائد کئے گئے[52]۔ اس طرح فطری انداز پر فرد اور قوم کو ایک دوسرے پر منحصر کر دیا گیا اور بعض امور میں فرد کی رحمت کو قومی عدل پر اور بعض مواقع میں اجتماعی عدل کو انفرادی رحمت پر ترجیح دی گئی اور اس وسیع تر مفاد کو "مصلحت" سے تعبیر کیا گیا۔

اس کے نتیجے میں انفرادی حیثیت کے لیے رحمت و اخلاق کا اصول اور اجتماعی زندگی کے لیے شرعی اور ملکی عدالتی قانون واضح ہوتا ہے۔اسی لیے رسول اکرم ﷺ اور اصحاب رسول اپنے ذاتی فوائد کو اجتماعی مصالح پر قربان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور آپ کا خلق عظیم "عالمی رحمت" اور آپ کی مدنی ریاست انسانیت کے لیے اسوہ کامل اور "عالمی عدالت" قرار پاتی ہے۔

چوتھی خصوصیت: اعلیٰ تہذیبی وتمدنی تصورات

یہاں پر ان تصورات کی مکمل تفصیل اور احاطہ مقصود نہیں، بلکہ بعض ابتدائی اور ثانوی درجے کے ان عنوانات کا تذکرہ حوالہ جات کے بغیر نہایت اختصار سے کیا جارہا ہے جو اسلامی احکام کے مطابق قیام رحم وعدل میں اصولی اہمیت کے حامل ہیں:

1. **احترام آدمیت:** اسلامی اصول کے مطابق ہر فرد کی حریت وحقوق کی پاسداری اور ضعیف اصناف کی خاص رعایت؛ بلا امتیاز انسانی مساوات مگر اہلیت اور مسلمہ تعلقات کی ترجیح؛ بلا تفریق ہر شخص سے ظلم کا بدلہ لینے کا حق، لیکن والدین جیسے محسنین کو "اُف" کہنے کی بھی ممانعت، البتہ ان سے اختلاف رائے کا حق ہونا؛ امتناع خود غرضی ومادہ پرستی وطبقاتی تقسیم وتحقیر؛ ممانعت نسلی، مالی، مذہبی، سیاسی اجارہ داری۔

2. **اخلاقِ عالیہ:** صداقت، امانت، حیا، خواتین کی عفت وحجاب، وعدہ وفائی، عدمِ تجسس، سادگی، شکر، معاف کرنا، اللہ پر توکل، قربانی وایثار، تحمل وبرداشت؛ شرعی حدود کے مطابق کسی کے ذاتی معاملات میں عدم مداخلت؛ تقوی پر فضیلت کا معیار (مثلاً عبادت، انکسار، جُود وسخاء)؛ عیوب پر پردہ داری مگر عمومی خطرہ کے وقت عیبوں کو ظاہر کرنا؛ ذاتی رنجش پر انتقام نہ لینا اور قومی خطاء پر معافی نہ دینا؛ عمومی حسن ظن و اعتماد مگر ظلم کے خطرہ پر بیدار رہنا؛ بڑوں کی توقیر اور چھوٹوں پر شفقت کرنا؛ اخلاق رذیلہ کی نفرت (مثلاً: ظلم، بلاوجہ ناراضگی، اپنی برتری کا زعم، تمسخر، طعن، غیبت، بدگمانی، جلدبازی؛ دوسرے کے مزاج، ضرورت اور مجبوری کا خیال نہ رکھنا؛ بلاوجہ ٹوہ لگانا اور خوشامد کرنا)۔

3. **ادراکِ حقائق:** حقیقت پسندی اور خود احتسابی سے اپنی غلطی کا اعتراف؛ مخالفین کو غور سے سننا؛ ذاتی مفاد پر اجتماعی مقاصد کی ترجیح؛ بلا امتیاز جوابدہی؛ انسانی عرف وعادۃ کی قدر ومنزلت؛ اسلامی رحمت وعدل کے معیار پر نئے نظریات وتجربات کی دریافت۔

4. **ذمہ دارانہ کردار کی ادائیگی:** شعور وآگہی، تعلیم وتربیت، غور وفکر، مشاورت، تنظیم؛ حفظِ امانت، فہمِ حق واستقامت؛ نیکی میں تعاون برائی میں عدم تعاون؛ سب کی بھلائی؛ صلاحیت واہلیت کی بنیاد پر مفادات اور حقوق کی تقسیم؛ قطعی علم پر زندگی کی بنیاد، ورنہ غالب گمان پر اعتماد کرنا؛ وساوس سے اجتناب؛ حقوق کے تحفظ کے ساتھ قانون کی حکمرانی؛ بلا امتیاز ہر فرد پر اپنے عمل کی جواب دہی۔

5. **خاندانی نظم:** تمام اقارب کے حقوق کا تحفظ اور حیاء کی پاسداری؛ عورت ومرد کے فطری فرق اور شرعی مقاصد کی بنا پر ان کے منصفانہ حقوق وفرائض کا تعین؛ کبیر وصغیر اور قریب وبعید کے حقوق کا باہمی فرق۔

6. **صالح اجتماعیت ونصرت:** غیر جانبدارانہ حق وصداقت کو تسلیم کرنا؛ اہل حق سے گہری وابستگی ومعاونت؛ غلبہِ حق کے لیے مرغوبات کی قربانی؛ مخالفین حق ومنافقین سے جہاد؛ اہل حق کے فروعی اختلاف پر صبر وتحمل؛ قومی اتحاد کا لزوم اور تفرقہ کی ممانعت؛ مضطرب مسلمان کا درد محسوس کرنا۔

7. **اقتصادی استحکام:** گردشِ دولت کے ذرائع کا وجوب (مثلاً: محنت،کسبِ حلال، منصفانہ تقسیم دولت، سادگی اور انفاق)؛ استحصالی ذرائع کا ترک (مثلاً: خیانت، رشوت، سود، جوا، سٹہ، منافع خوری، اجارہ داری، اسراف اور عیش کوشی)۔

8. **انتظامی استحکام:** اہلیت کی بنا پر عہدوں کی سپردگی؛ ظلم، غلول، خواہش پرستی، دینی نافرمانی اور طلبِ عہدہ کی ممانعت؛ اطاعتِ الٰہی، امانتداری، شورائیت، عدل اور تصورِ جواب دہی کا لزوم؛ معروفات میں اطاعت امیر؛ بے لوث خدمت گذار اجتماعی اداروں کا قیام؛ بڑے فساد سے بچنے کے لیے جابرانہ آمریت کو مشروط طور پر برداشت کرنا، اور صالح قیادت کی تلاش جاری رکھنا۔

9. **بین الاقوامی اصلاح:** حکیمانہ دعوت دین؛ جہاد کے نام پر مذہبی دہشت گردی کی ممانعت؛ غیر ظالم کفار سے مساویانہ تعلقات اور حسن سلوک؛ معاندین حق سے جہاد مگر حد سے تجاوز کی ممانعت؛ مشترکہ مفادات و نظریات کی بناپر مصالحت و معاہدات؛ مظلوم اقوام کی معاونت اور حسن سلوک۔

اسلامی نظم حیات کے تناظر میں مذکورہ بالا خصائص کی تفہیم کے لیے معاشرہ کے مختلف متقابل افراد کے حقوق و فرائض کا جائزہ لینے کی ضرورت ہو گی، مثال کے طور پر: فرد و معاشرہ، مرد و عورت، خاندانی و سماجی افراد، شہری و دیہاتی، متمولین و مفلسین، فروخت کار و خریدار، نگران و ماتحت افراد، حکمران و عوام، مسلم و غیر مسلم، وغیرہ متقابل افراد ہیں۔ اگر ان کے حقوق و فرائض کو آمنے سامنے رکھ کر ان کے متوازی احکام کی ترتیب، تناسب، توجیہات، فرقِ احوال اور فرقِ مراتب پر غور کیا جائے تو روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی احکام کی اولیں اساس "رحمتِ الٰہی" ہے اور ان کی تفصیلات و توجیہات "عدلِ الٰہی" پر مبنی ہیں۔ انسانی حقوق کی ترتیب میں فرد کا ذاتی تقاضا پہلے درجہ پر رکھا گیا[53]، پھر قریبی رشتہ دار کو دور والے پر[54]، اور ہمسایہ کو اہلِ آبادی پر فوقیت دی گئی[55] اور ہر علاقہ کی زکوۃ وہاں کے مستحقین کو دینے کا حکم دیا گیا[56]۔ ہر شخص کو اپنی استطاعت کے مطابق مفوضہ امور کے مقاصد کے حصول کی جدوجہد کا ذمہ دار ٹھیرایا گیا[57]، اور ہر حقدار کو اس کی اہلیت کے مطابق مستحق قرار دیا گیا[58]۔ اس عادلانہ منہج میں جس طرح اصولی ترتیب، تنظیم و منصوبہ بندی کو جگہ دی گئی ہے اس کو تمام معاملات میں اپنانا ضروری ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام میں انسانی مختلف انواع اور ہر نوع کی مختلف جہتوں کا فرق کرتے ہوئے رحمت و عدل کو اصولی نمائندگی دی گئی ہے، اس کے ہر حکم میں انسان کی کسی نہ کسی ضرورت کو مد نظر رکھا گیا ہے، خواہ اس کا تعلق عبادات و معاملات کی کسی بھی صنف سے ہو، اس سے اسلام کا مقصود انسان کی دنیوی اور اخروی کامیابی ہے۔ اسلامی عقائد کا مقصد انسانی قلب کی اصلاح ہے، اس کی عبادات کا مقصود "دنیا میں تقرب اور تعلق الٰہی" اور اس کے دیگر عملی احکام کا مطلوب "انسانی تہذیب، فلاح اور اس کا ارتقاء" ہے، اس لیے عبادات میں جزوی طور پر دنیاوی بھلائی کے امور کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور زندگی کے باقی آداب و معاملات میں اللہ کی اطاعت اور رضاجوئی کو لازم قرار دیا گیا ہے، اس طرح دین و دنیا کا فرق مٹا کر یہ واضح کیا گیا کہ دنیا بغیر دینی اصلاح کے مادہ پرستی ہے اور دین بغیر دنیاوی فلاح کے رہبانیت ہے۔

رحمت و عدل کا ظاہری تصور اگرچہ دنیا کے ہر مذہب اور تہذیب میں موجود ہے، لیکن نظریاتی بنیاد اور صراط مستقیم نہ ہونے کے سبب اس کو ہمیشہ انفرادی مقاصد کے تابع کر دیا جاتا ہے، افسوس کہ عصری عالم اسلام کا بھی یہی حال ہے کیونکہ اس پر خواہش پرست عناصر کا غلبہ ہے،، اسی لیے اسلام نے غیر فسادی کافر کو اپنے سماج میں شریک کر لیا، مگر کفار سے ذاتی مفادات وابستہ رکھنے والے مسلم کو منافق قرار دے کر[59] اس سے حکیمانہ جہاد کا حکم دیا[60] اور فرمایا: اگر دین حق میں ان کی خواہشات کی پیروی کر لی جائے تو آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق فساد زدہ ہو جائے گی[61]، اور یہ واضح کر دیا کہ جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ نہ کبھی گمراہ ہو گا اور نہ نقصان اٹھائے گا[62]۔

دنیا کے جدید نظاموں میں جمہوریت واشتراکیت کا بہت چرچا ہے، مگر حقیقت یہ کہ ان میں مذہبی رجحان کا خاتمہ کر کے مادہ پرستی کا بیج بو دیا گیا ہے، جو نظم کی تباہی کا سبب ہے، پھر جمہوریت کا طرہ امتیاز سرمایہ داری ہے جس کے پاس یہ قانونی حق ہے کہ آزادی کے نام پر وہ انسانیت کا منظم استحصال کرے، اور اس کے جمہوری ادارے اپنی وضع قطع میں صدق و دیانت سے خالی ہیں، اس لیے ان کو تربیت یافتہ اجارہ داروں کے تسلط سے بچانا ممکن ہی نہیں ہے، جبکہ اشتراکیت میں غیر حقیقی مساوات کا لزوم اور سیاسی ومالی آزادی، ملکیت، اور طلب ورسد کی فطری قوتوں کا انکار ہے، اس لیے ان نظاموں میں انسانی فلاح کے حصول کی اہلیت ہی نہیں ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1]راغب اصفہانی، المفردات، (دارالقلم، دمشق، طباعت اول 1412ھ)، ص347

Rāghib Asfahānī,al-Mufarridāt,(Dāral-Qalam Damishq, 1st Edition 1412 AH) P.347.

[2]علی بن محمد جرجانی ،کتاب التعریفات، (دار الکتب العلمیہ ،بیروت، طباعت اول ،1983 م)، ص 110۔

Ali Bin Muhammad Jarjanī, Kitāb al-Ta'rifāt, (Dār al-Kutub al-'ilmīah, Beruit, 1st Edition, 1983AD), 110.

[3]احمدبن فارس القزوینی ،معجم مقاییس اللغه، (دارالفکر ،بیروت، 1979ھ)، ج4ص246

Ahmad Bin Faris Al Qazvinī, Ma'jam Maqāyīs al-Lughatu, (Dār al-Fikir, Beruit, 1979 AH), 4/246.

[4] شریف جرجانی، التعریفات، ص 147

Shareef Jarjanī, *al-Ta'rifāt*, 147.

[5]راغب اصفہانی، المفردات، ص551

Rāghib Asfahānī, al-Mufarridāt, 551.

[6]القرآن 57 :25

Al Qur'ān, 57:25.

[7]القرآن 18 :82؛ القرآن 48 :29

Al Qur'ān 18:82; Al Qur'ān 48:29

[8]القرآن 5 :82؛ القرآن 9 :97

Al Qur'ān 5:82; Al Qur'ān 9:97.

[9]راغب اصفہانی، المفردات، ص:537

Rāghib Asfahānī, al-Mufarri dāt, 537.

[10]القرآن 7 :156

Al Qur'ān 7:156.

[11]القرآن 4 :40

Al Qur'ān 4:40.

[12] القرآن 11 :118، 119

Al Qur'ān 11:118,119.

[13]القرآن 67 :3

Al Qur'ān 67:3.

[14] القرآن 19:67

Al Qur'ān 67:19.

[15] القرآن 3 :132

Al Qur'ān 3:132.

[16]القرآن 39 :53

Al Qur'ān 39:53.

[17]القرآن 27: 11

Al Qur'ān 27:11.

[18]القرآن 64: 14

Al Qur'ān 64:14.

[19] القرآن 2: 64

Al Qur'ān 2:64.

[20]القرآن 3: 134

Al Qur'ān 3:134.

[21]ا القرآن 3 : 159

Al Qur'ān 3:159.

[22]ا القرآن 3: 18

Al Qur'ān 3:18.

[23] القرآن 67: 3

Al Qur'ān 67:3.

[24] القرآن 6: 115

Al Qur'ān 6:115.

[25] القرآن21: 22

Al Qur'ān 21:22.

[26] القرآن 57: 25

Al Qur'ān 57:25.

[27]القرآن 82: 7

Al Qur'ān 82:7.

[28]القرآن 10: 44

Al Qur'ān 10:44

[29]القرآن 5: 8

Al Qur'ān 5:8

[30] القرآن 16: 90

Al Qur'ān 16:90

[31]القرآن 2 :141

Al Qur'ān 2:141

[32]القرآن2: 286

Al Qur'ān 2: 286.

[33] القرآن 46: 19

Al Qur'ān 46:19

[34]القرآن 4: 135

Al Qur'ān 4:135

[35]القرآن 17: 9

Al Qur'ān 17:9.

[36]القرآن 20: 112

Al Qur'ān 20:112

[37]القرآن 25: 19

Al Qur'ān 25:19

[38]القرآن 18: 59

Al Qur'ān 18:59.

[39]القرآن 11: 113

Al Qur'ān 11:113

[40]القرآن 5: 87

Al Qur'ān 5:87.

[41]القرآن 10: 74

Al Qur'ān 10:74.

[42]القرآن 55: 1-6

Al Qur'ān 55:1-6 .

[43]مسلم،صحیح مسلم،کتاب الزکوۃ،باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب،حدیث نمبر:1015

Muslim, saheh muslim, Kitāb al-Zakat, Bāb Qabūl al-Sadaqatu, Hadith no. 1015.

[44]ایضاً،کتاب استتابۃ المرتدین، باب قتل من ابی قبول الفرائض،حدیث نمبر:6925

Ibid, Kitāb estatābatu al-Murtadīn, Bāb Qatala man abā, Hadith no. 6925.

[45] القرآن 2: 286

Al Qur'ān 2:286.

[46]القرآن 33: 5

Al Qur'ān 33:5.

[47]ابن ماجہ،السنن،کتاب الطلاق،باب طلاق المکرہ،حدیث نمبر:2043

Ibni Mājah, Al-Sunana, Kitāb al-Talāq, Bāb Talāq al-Mukrih, Hadith no. 2043.

[48]القرآن 23: 51

Al Qur'ān 23:51.

[49] القرآن 90: 4؛بخاری ،صحیح بخاری،کتاب البیوع،باب کسب الرجل،حدیث نمبر:2072

Al Qur'ān, 90:4. ; Bukhārī, Saheh Bukhārī, Kitāb al-Bayū', Hadith no.2072.

[50] القرآن 5: 32؛ بخاری،صحیح بخاری ،کتاب الادب،باب ماینھی عن التحاسد،حدیث نمبر:6064؛المسلم ،الجامع الصحیح،کتاب البروالصلۃ ،حدیث نمبر:2564؛ بخاری،صحیح بخاری ،کتاب الایمان،،باب قول الدین النصیحہ،حدیث نمبر:57 ؛المسلم،الجامع الصحیح،کتاب الایمان،حدیث نمبر:55

Al Qur'ān 5:32 ; Bukhārī, Saheh Bukhārī, Kitāb al-Adab, Bāb Mā Yanha 'an al-Tahāsud, Hadith no.6064 ; Muslim, Kitāb al-Biru wa al-Silatu, Hadith no. 2564 ; Bukhārī, Saheh Bukhārī, Kitāb al-eīmān, Hadith no.57 ; Muslim, Kitāb al-Eimān, Hadith no. 55

[51]احمد،المسند،مسند ابی ہریرہ،حدیث نمبر:8095؛ابن ابی شیبة،المصنف ،حدیث نمبر:30359 ؛احمد،المسند،مسند ابن عمر،حدیث نمبر: 4880

Ahmad, al-Musnad, Musnad Abī Huraīrah, Hadith no. 8095 ; Ibni Abī Shaībah, al-Musannif,Hadith no. 30359 ; Ahmad, al-Musnad, Musnad Abdullah Ibni ‘umar, Hadith no. 4880.

[52]القرآن 17: 26

Al Qur‘ān 17:26

[53]قرآن مجید میں ہے:یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو یعنی ذاتی اخراجات سے جو بچ جائے وہ اللہ کے راستے میں دو، البقرہ،2: 219

[54]بخاری،صحیح بخاری ،کتاب الزکاۃ، باب لاصدقة الا عن ظہر غنی،حدیث نمبر:1427

Bukhārī, Saheh Bukhārī, Kitāb al-Zakat, Bāb La Sadqah illa, Hadith no.1427.

[55]بخاری،صحیح بخاری ،کتاب الادب، باب الوصاۃ بالجار،حدیث نمبر:6014

Bukhārī, Saheh Bukhārī, Kitāb al-Adab, Bāb al-Wasātu Bil Jār, Hadith no.6014.

[56]بخاری،صحیح بخاری ،کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ،حدیث نمبر: 1395 ؛المسلم،الجامع الصحیح،کتاب الایمان، باب الدعاء للشہادتین،حدیث نمبر:19

Bukhārī, Saheh Bukhārī, Kitāb al-Zakat, Bāb Wajūb al-Zakat, Hadith no.1395; Muslim, Kitāb al-Eimān, Bāb al-Du‘ā Lil Shahadatain, Hadith no. 19.

[57]بخاری،صحیح بخاری،کتاب الجمعه، باب الجمعه بالقری،حدیث نمبر: 893

Bukhārī, Saheh Bukhārī, Kitāb al-jum‘a, Bāb al-jum‘a Bil , Hadith no.893.

[58]القرآن 4: 58

Al Qur‘ān 4:58 .

[59]القرآن 5: 51

Al Qur‘ān 5:51.

[60]القرآن 9: 73

Al Qur‘ān 9:73.

[61]القرآن 23: 71

Al Qur‘ān 23:71.

[62]القرآن20 : 123

Al Qur‘ān 20:123